شہید کربلاؑ کی یادگار کا آزاد ہندوستان سے مطالبہ

آیۃ اللہ العظمیٰ سیّد العلماء سیّد علی نقی نقوی طاب ثراہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ وَ الصَّلٰوۃُ عَلٰی
سَیِّدِ الۡاَنۡبِیَاءِ وَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ وَ اٰلِہِ الطیبین الطّاھِرِیۡن۔

جانے دیجئے کسی ایسی قوم کو جو طاقت کو حق سمجھتی اور قہر و غلبہ کو اصول حقانیت میں سے قرار دیتی ہو۔ مسلک کے اعتبار سے شہید کربلاؑ کا جہاد اور آپ کی ابدی کامیابی اس جماعت کے اصول کی شکست ہے اور اس لئے واقعۂ کربلا کی یادگار کے قیام میں اس جماعت کے لیے کوئی خاص جاذبیت نہ ہوتو قابل تعجب نہیں۔ بے شک یہ حضرت سید الشہداؑ کی بے پناہ حقانیت کا زور ہے کہ یہ لوگ بھی کھل کر حضرت کے کارنامہ جاوید کے خلاف کوئی لب کشائی نہیں کرنا چاہتے یا چاہتے ہیں تو ہمت نہیں پاتے، یا ہمت بھی کرتے ہیں تو کامیابی نہیں محسوس کرتے، پھر بھی در پردہ مختلف طرح عزائے حسینؑ کو مٹانے کی کوششیں جن کا مشاہدہ اکثر ہوتا رہتا ہے، اس جماعت کے قلبی تاثرات کی غمازی کے لئے کافی ہیں۔

سیاست کی دنیا میں مغربی اقوام محض طاقت کو حق سمجھنے ہی کی علمبردار رہی ہیں جن سے ان میں کا کوئی بھی مستثنیٰ نہیں ہے۔ یہ اور بات ہے کہ کوئی ''ہٹلر'' ہوکر شمشیر برہنہ بن جائے، اور کوئی اپنی طاقت پرستی پر سیاست کا ملمع چڑھا کر ''طاقت برائے امن عالم'' کا جھنڈا بلند کرے، لیکن ان میں سے ہر ایک کے دل و دماغ میں ہٹلریت اپنے پورے جاہ وجلال کے ساتھ متمکن ہے اور اسی لئے یہ آپس میں لاکھ معاہدے کریں لیکن وہ کبھی امن عالم کے لئے مفید نہیں ہو سکتے اس لئے کہ دو درویش در یک گلیمے نجسپند و دو بادشاہ در یک اقلیمے نگنجند۔ پھر وہ زمانہ اور تھا جب دنیا کا ہر اقلیم ایک الگ احاطہ رکھتا تھا، اب عالم تمام ایک اقلیم کے حکم میں ہے، وہ اگلے بادشاہ تھے جن میں سے دو ایک اقلیم میں نہ رہ سکتے تھے، اور یہ اس زمانہ کے صاحبان اقتدار ہیں، جن مین سے دو ہٹلر در یک عالمی نگنجند، پھر ان ہٹلروں میں باہم کوئی معاہدہ ہوتو اسے قیام وبقا کہاں ہوسکتا ہے۔

یورپ جو عیسائیت کے ادعا کے ساتھ اب زندگی کے ہر شعبہ میں مادہ پرست ہوگیا ہے، کسی ایسی جنگ کا تصور ہی نہیں کرسکتا جس کی بنیاد روحانیت پر قائم ہو۔

اس لئے یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ یورپ کے مصنفین نے جتنی مرعوبیت کے ساتھ مادی طور پر فتح ممالک کرنے والی کسی مسلمان تاریخی شخصیت پر تبصرے کیئے ہیں اتنی اہمیت کے ساتھ کبھی بھی انہوں نے کربلا کے فاتح اعظم کے کارنامہ پر غور نہیں کیا اس لیے کہ ان کے کاسہ ہائے سر میں وہ نگاہ باقی نہیں رہی ہے جو اس عظیم فتح کے خط وخال کو دیکھ سکے، جسے اس بے کسی اور بے بسی کے عالم میں حسینؑ نے اپنے دشمن کے مقابلہ میں حاصل کیا۔

مشرق میں ہندوستان ایسا خطہ ہے، اور ہندوستانی ایسی قوم ہے جس نے ہمیشہ اپنے کو روحانیت کا پرستار ظاہر کیا اور جب کہ دنیا کی قومیں تشدد کی دوڑ میں لگی ہوئی تھیں، یہاں سے پیدا ہونے والے مذاہب اور ان کی پرستار جماعتوں نے عدم تشدد کے حدود میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کی۔ کسی نے اگر آدمی کا خون بہانے سے منع کیا تو انھوں نے

جانوروں کی جان کی حفاظت کو اپنا نصب العین قرار دیا کچھ نے اسے فائدہ پہنچانے والے جانوروں تک محدود رکھا تو بعض جماعتوں نے اس کو موذی جانوروں اور کیڑے مکوڑوں تک پہنچا دیا اور کسی بھی جاندار کی جان لینا ان کے نقطۂ نظر سے گناہ قرار پا گیا۔

اب آخر میں گاندھی جی نے تو انگریزوں سے اپنی جنگ کی بنیاد عدم تشدد پر رکھی اور انھوں نے ''حق ایک طاقت ہے'' کے اصول کو بڑی طاقت وقوت کے ساتھ پیش کر کے اسی جھنڈے کے نیچے اپنی صفوں کو مرتب کیا جس میں انھوں نے بالآخر کامیابی حاصل کر کے آزادی ملک کے خواب کو ایک حقیقت بنا دیا، جو آنکھوں کے سامنے ہے، یہاں تک کہ ان کی اس کامیابی سے متاثر ہو کر اب تو کبھی کبھی یورپ والے بھی حق اور اس کی طاقت کا ذکر کرنے لگے ہیں۔

گاندھی جی کے فلسفۂ عدم تشدد کے حدود ہمارے معیار نظر کے لحاظ سے نقطۂ اعتدال سے مختلف سہی پھر بھی وہ اصل جس پر ان کے فلسفۂ عمل کی بنیاد ہے بہت کچھ اہلبیتؑ رسول کے فلسفۂ اسلامی سے متحد ہے جس کو انتہائی نمایاں طریقہ پر عملی طور سے برت کر اور اس کے بے پناہ نتیجہ کو تجربہ کی دنیا میں سامنے لا کر حضرت امام حسینؑ نے پیش کیا تھا۔ پھر یہ اتحاد کوئی اتفاقی توارد نہ تھا بلکہ گاندھی جی نے تصریحاً اس کا اظہار کیا کہ انھوں نے شروع ہی میں واقعۂ کربلا کا مطالعہ کیا تھا اور اس سے متاثر ہوئے تھے۔ انہوں نے بارہا کہا کہ وہ جنگ آزادی میں حسینؑ کو اپنا راہبر جانتے ہیں۔ اسی بناء پر نمک والے میدان میں جانے کے موقع پر انھوں نے اپنے ساتھیوں کی تعداد بہتر قرار دیتے ہوئے اس کا اظہار کیا کہ وہ اس طرح حضرت امام حسینؑ کی پیروی کا ایک مظاہرہ کرنا چاہتے ہیں۔

ایسی صورت میں ملک کے آزاد ہونے کے بعد صرف ہندوستان سے سب سے زیادہ یہ امید وابستہ کی جاسکتی ہے کہ وہ شہید کربلاؑ کی یادگار کو پھلنے پھولنے کا موقع دے، جبکہ ملک کا رجحان اس کے پہلے ہمیشہ عزائے حسینؑ کے موافق رہا ہے جس کے لیئے گوالیار وغیرہ کی عزاداری ایک عملی اور تاریخی ثبوت ہے۔

ہندوؤں کا عزائے حسینؑ میں انہماک کے ساتھ حصہ لینا اس بنیاد پر نہ تھا کہ مسلمان فاتح اور صاحب اقتدار تھے اور مثل مشہور ہے کہ ''**الناس علی دین ملوکھم**'' مفتوح قوم فاتح کے اثر کو قبول کر ہی لیتی ہے۔ ہرگز ایسا نہیں ہے اس لئے کہ فاتحین کے گروہ میں بہت سی رسمیں ایسی جاری تھیں جو باوجود اپنی دل آویزی کے ہندوؤں میں قطعی کوئی مقبولیت حاصل نہ کرسکیں۔ جیسے قوالی وغیرہ یہاں تک کہ عید اور بقرعید جو مسلمانوں کی ہمہ گیر تقریب اور ان کے مذہبی تقریبات میں سب سے زیادہ نمایاں چیز ہے، اس سے اس دیس کے باشندوں نے کوئی تعلق قائم نہیں کیا۔ بلکہ جہاں تک رسموں کا تعلق ہے خود مسلمانوں نے ہندوؤں کا اثر قبول کرلیا۔ ہندو ان سے قطعاً متاثر نہیں ہوئے، شادی بیاہ اور موت وغیرہ کے تقریبات کا دونوں جماعتوں کا مطالعہ کیجئے اور دیکھ لیجئے کہ اس حیثیت سے کون فاتح نظر آتا ہے اور کون مفتوح۔ مگر عزاداری!

پھر اس پر بھی غور کرنا ہوگا کہ فاتح جماعت کی اکثریت عزاداری کے ساتھ خود کوئی وابستگی رکھتی تھی یا علٰحدگی؟ میں تو سمجھتا ہوں کہ ان میں سے اکثر نے اس یادگار کے ساتھ کوئی ہمت افزا رویہ کبھی نہیں رکھا، اس سے صاف ظاہر ہے کہ عزائے حسینؑ کا ہندوؤں میں مقبول ہونا ہرگز کسی مادی دباؤ یا اثر کا نتیجہ نہ تھا، بلکہ ملک کا مزاج اس کے موافق تھا اور یہاں کے روایات اس کے ساتھ سازگار تھے۔ اسی بناء پر نہ صرف ان جماعتوں نے جو ظاہر بظاہر مفتوح تھیں بلکہ ان ریاستوں نے بھی جنھوں نے اطاعت قبول نہیں کی، بلکہ وہ مسلمانوں کی سخت ترین حریف ثابت ہوئی تھیں، عزائے مظلوم کا بطوع و رغبت استقبال کیا۔ اب اگر گوالیار میں عزاداری کا انسداد کیا جارہا ہے تو یہ اس دور کے غیر فطری ماحول اور تعصّبات کا نتیجہ ہے جو خود اپنے گاندھی ایسے رہنما کو گولی کا نشانہ بنا دینے کے لئے تیار ہوتے ہیں۔

تو اگر عزائے امام حسینؑ کو مٹانے کے درپے ہوں تو کیا تعجب ہے ۔ مگر ملک کی معتدل ذہنیت جس نے صحت ور ماحول میں تربیت پائی ہو امام حسینؑ کی عزاداری سے ہرگز کسی بیگانگی کا ثبوت نہیں دے سکتی ۔

اب ان بیانات پر نظر ڈالئے جو ہمارے ملک کے مخصوص رہنماؤں کے زبان و قلم پر برابر آتے رہے ہیں ۔

۱۳۶۱ھ میں یادگار حسینی لکھنؤ کے جلسہ کے موقع پر ہمارے ملک کے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے کہا تھا کہ اس موقع پر ہم اختلافات بھول گئے ۔ ہماری دلیلوں کا منھ بند ہوگیا اور ہم سب دوستانہ اور ہمدردانہ طریقہ پر ایک ہوگئے اس لئے کہ ایک بڑی ہستی یا ایک بڑے کارنامہ کی یادگار ساری دنیا کو ایک برادری کے رشتے میں منسلک کردیتی ہے یہاں تک کہ ماضی کے دھندلکے میں بسنے والی یاد بھی چونکا دیتی ہے'' ۔

''آج جب کہ ہم بڑے بڑے واقعات کے درمیان اور دامندار تغیرات کی چوکھٹ پر کھڑے ہیں ہمارے لئے یہ مناسب ہے کہ ہم تاریخ کے اہم واقعات کی طرف متوجہ ہوں اور ماضی کے کارہائے نمایاں سے تقویت حاصل کریں'' ۔

''ظاہر ہے کہ وہ بڑے واقعات اور دامندار تغیرات آج سے دس برس پہلے ممکن ہے کچھ اور ہوں، مگر اس میں شک نہیں ہوسکتا کہ یہ بڑے واقعات اور دامندار تغیرات کی چوکھٹ پر کھڑے ہونے کی حیثیت آج بھی اسی طرح قائم ہے، جیسے اس وقت تھی بلکہ ذمہ داری کے بڑھ جانے کی وجہ سے اس وقت ان واقعات اور تغیرات کی اہمیت بہت زیادہ ہوگئی ہے ۔ لہٰذا اعتقاد و ایثار کے ایک ایسے بڑے کارنامہ کی یاد جو آپس کے اختلافات کو بھلا سکتی ہو اور تمام دنیا کو ایک برادری کے رشتہ میں منسلک کرتی ہو، آج جتنی ضروری ہے، اتنی شاید اس وقت نہ ہو جبکہ پنڈت جی نے یہ الفاظ زبان و قلم پر جاری کئے تھے ۔''

ایک دوسرے پیغام میں جو آپ نے حسینؑ ڈے کمیٹی بمبئی کو بھیجا تھا لکھا ہے کہ اس شہادت میں ایک عالمگیر پیغام ہے حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنا سب کچھ قربان کردیا مگر ایک ظالم حکومت کے سامنے سر نہیں جھکایا ۔ انھوں نے یہ خیال نہیں کیا کہ ہماری مادی قوت دشمنوں کے مقابلہ میں کم ہے، ایمان کی قوت ان کے نزدیک سب سے بڑی قوت تھی جو ہر مادی قوت کو ہیچ سمجھتی ہے ۔ ہر فرقہ اور قوم کے لئے یہ قربانی شمع راہ ہدایت ہے'' ۔

اب یہ پیغام جسے پنڈت جی نے عالمگیر بتایا ہے کیا ہندوستان کے لئے اسی وقت تک درکار تھا جب تک کہ وہ غلامی کی زندگی گزار رہا تھا ۔ کیا ظالم کے سامنے سر نہ جھکانے کا مطالبہ کسی خاص حالت کے ساتھ مخصوص ہے ۔ حقیقت میں ایک حاکم کے لئے بڑی ضرورت ہے کہ وہ ظالم کے سامنے سر تسلیم خم کرنے سے پرہیز کرے جس طرح مسند حکومت پر بیٹھے ہوئے کسی یزید کی بیعت سے انکار ضروری ہے اسی طرح گوڈسے کی قسم کے افراد کی کارگزاریوں سے مرعوب نہ ہونے کی حکومت کے لئے بھی سخت ضرورت ہے ۔

ہماری آزاد حکومت سے اس وقت خود اس کے ہمدردوں اور دوستوں کو بھی خود ظالم ہونے کی اتنی شکایت نہیں ہے جتنی ظالموں سے چشم پوشی کی شکایت ہے آکشے برہمچاری کا مرن برت اسی ''رضا بہ ظلم'' کے خلاف احتجاج کا بطور خود ایک مظاہرہ ہے ۔ ہم جانتے ہیں کہ ملک میں غیر معتدل مائل بہ تشدد افراد یا جماعتوں کی کارگزاریوں سے طرح دینے کا بہت کچھ ان قوتوں کی کثرت اور مادی طاقت سے متاثر ہونے ہی سے تعلق ہے ۔ اگر ایمان یعنی سچ کو سچ سمجھنے کی قوت پر کچھ بھی بھروسا کیا جائے تو کبھی ظالموں کی اس مطلق العنانی کی ہمت نہ پڑ سکے ۔

''غیر مذہبی'' ہندوستان میں یہ اعلان بخط جلی آنکھوں کے سامنے لائے جانے کی ضرورت ہے، کہ ہر فرقہ اور ہر قوم کے لیے یہ قربانی مشعلِ ہدایت ہے ''ہندوستان کی جنتا'' ''غیر مذہبی'' ہونے کے بعد بھی اس ''ہر فرقہ اور ہر قوم کے دائرہ سے باہر نہیں نکل سکتی اس لئے حسینؑ بن علیؑ کی قربانی کی یادگار کا اس آزاد

ہندوستان سے ویسا ہی مطالبہ کیا جا سکتا ہے جیسا اس ملک سے جو اپنے کو ''ایک فرقہ اور ایک قوم سے متعلق قرار دیتا ہو۔''

ہمارے اس ملک کے صدر جمہوریہ بابو راجندر پرشاد نے کہا ہے کہ ''کربلا کا واقعہ شہادت انسانی تاریخ کا وہ واقعہ ہے جو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا اور جو دنیا کے کروڑوں مردوں اور عورتوں کی زندگی پر اثر ڈالتا رہے گا۔'' ہندوستان میں اس واقعہ کی یادگار بڑی سنجیدگی سے منائی جاتی ہے جس میں نہ صرف مسلمان حصہ لیتے ہیں بلکہ غیر مسلم افراد بھی مساویانہ دلچسپی کا اظہار کرتے ہیں''۔

یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ کسی شئے کے متعلق حقیقت واقعہ اختلاف حالات سے تبدیل نہیں ہوا کرتی، کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا اس میں کبھی کی لفظ اگر معنی سمیت مستعمل ہے تو اس میں ''تب'' اور ''اب'' کی تفریق غیر ممکن ہے، کروڑوں مردوں اور عورتوں کی تعداد سے اگر کسی مذہب کی مردم شماری سے متعلق ہونے کا تصور پیدا بھی ہوسکتا تو آخر کلام میں غیر مسلم افراد کی ''مساویانہ دلچسپی'' نے ایک مذہب کی خصوصیت باقی نہیں رکھی ہے لہٰذا ملک میں چاہے کوئی بھی حکومت قائم ہو اس یادگار کو کسی ایک مذہب کی رسم قرار دے کر اسے نظر انداز کر دینے کا جواز کبھی نہیں ہوسکتا۔

سب سے آخر میں ہم جناب پرشوتم داس صاحب ٹنڈن کے الفاظ پر توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں۔ چونکہ آپ کی ذات کو اس وقت قومی حیثیت سے ملک میں کچھ کم اہمیت حاصل نہیں ہے، اور کانگریس کی صدارت کے عہدہ پر منتخب ہونے سے یہ ظاہر ہے کہ رہنمائی ملک کی ذمہ داری کا بار اب آپ کے کاندھے پر ہے۔ اس حیثیت سے بھی آپ کے متعلق خاص طور پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ آپ کے خیالات کو عام طور پر پنڈت نہرو وغیرہ کی ضد سمجھا جاتا ہے، اور ہندو کلچر کے حامی ہونے کی حیثیت سے آپ کو فرقہ وارانہ رجحانات کا حامل خیال کیا جاتا ہے، اس لئے شہید کربلاؑ کے متعلق آپ کے خیالات دیکھے اور سمجھے جانے کے مستحق ہیں۔

آپ نے لکھنؤ کی حسین ڈے کمیٹی کو جو پیغام روانہ کیا تھا وہ حسب ذیل ہے۔

''شہادت حسینی میرے لیئے ہمیشہ ایک المیہ کشش رکھتی تھی اس زمانہ میں بھی جب میں کمسن بچہ تھا میں اس عظیم تاریخی واقعہ کی یاد منانے کی اہمیت کو سمجھتا ہوں، اتنی بلند قربانیوں نے جیسی کہ امام حسینؑ نے پیش کی ہیں انسانیت کو اس کے درجہ سے بلند کر دیا ہے اور ان کی یادگار منانے اور قائم کرنے کے قابل ہے۔''

موصوف کے الفاظ میں اگر وزن سمجھا جائے اور ضرور ان میں وزن ہے تو موصوف کی اس تحریک کے ہوتے ہوئے بھی کہ تمام اہل ملک کو ایک کلچر کا حامل ہونا چاہئے۔ ''شہادت حسینی کی یادگار'' اس مشترک کلچر کا جزو ہونا چاہئے جس میں آپ تمام ملک کو رنگنا چاہتے ہیں، اس لیئے کہ وہ مشترک انسانیت کو بلند کرنے والی ہے اور وہ بلا لحاظ مذہب وملت منانے اور قائم کرنے کے قابل ہے۔

ٹنڈن جی کا یہ رجحان کہ ہمارے ملک کے قدیم روایات کو واپس آنا چاہئے مزید قوت کے ساتھ اس کی دعوت دیتا ہے کہ حسینی یادگار کو اس ملک میں قائم رہنا چاہئے اس لیے کہ اس ملک کے قدیم روایات میں داخل ہے، ظلم وتشدد سے نفرت اور مظلوم کے ساتھ ہمدردی۔

ان ہی قدیم روایات کا نتیجہ یہ تھا کہ جنھیں سرزمین عرب میں پناہ نہ ملتی تھی وہ بھی ہندوستان آکر پناہ لینے کا ارادہ کرتے تھے۔ لہٰذا ملک کے سابقہ روایات کے ساتھ اس روایت کو حسب دستور قدیم قائم رہنا چاہئے اور اسی لیئے شہید کربلاؑ کی یادگار کا مطالبہ آزاد ہندوستان سے اسی وقت نہیں ہے کہ جب بظاہر کانگریس حکمران ہے، بلکہ اگر کھلم کھلا ہندو مہاسبھا کی حکومت ہوجائے تب بھی یہ مطالبہ قائم رہے گا اور خود ملک کے قدیم روایات اس کے قیام کے متقاضی ہوں گے۔

